6

رسائل و مسائل

مکمل اسلام

سوال : مشکوۃ شریف ' باب الرقاق کی ایک حدیث نظر سے گزری جس کی وضاحت درکار ہے۔ حدیث کے مطابق قیامت کے روز جب اعمال نامہ پیش ہو گا تو سب سے پہلے نماز سفارش کرے گی' لیکن اللہ تعالیٰ اسے ایک طرف کھڑے ہونے کا حکم دیں گے۔ پھر روزہ سفارش کرے گا' اسے بھی اللہ تعالیٰ ایک طرف کھڑا ہونے کا حکم دیں گے۔ اسی طرح زکوٰۃ' حج' خیرات و صدقات اور دوسرے نیک کام سفارش کریں گے مگر ان کو ٹھہرنے کا حکم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی گواہی پر بندے کی جزا کا فیصلہ صادر نہیں فرمائیں گے۔ سب سے آخر میں اسلام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہاں' تم آؤ' تمھاری گواہی پر میں بندے کو پکڑ لوں گا یا چھوڑ دوں گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ' یہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

کیا کلمہ' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج سارے مل کر اسلام نہیں ہیں؟ یہاں اسلام کا الگ سے ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اور قرآن پاک کی آیت بھی درج کی گئی ہے۔ کیا اسلام ان ارکان اسلام سے الگ کوئی چیز ہے یا ان عبادات سے اعلیٰ اور افضل عمل ہے؟

جواب : آپ نے جس حدیث کے بارے میں سوال کیا ہے اس میں اسلام سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اصل مطلوب مکمل اطاعت ہے۔ آخرت میں سب سے پہلے یہ بات دیکھی جائے گی کہ جو شخص نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ لے کر آیا ہے وہ پورے اسلام میں بھی داخل ہوا تھا' یا نہیں۔ اگر ایک انسان نے پورے کے پورے اسلام کو قبول کیا تھا تو اس کی نجات کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس کے بعد اس نے جو عبادات بھی بجا لائی ہوں گی' ان کا ثواب اسے ملے گا اور جو گناہ کیے ہوں گے ان کی وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ اس کے بعد نیکیوں اور بدیوں کو میزانِ عمل میں تول کر فیصلہ کر لیا جائے گا کہ اس نے جنت میں کس طرح سے اور کب داخل ہونا ہے اور جنت میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا۔ لیکن اگر اس نے پورے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی صرف چند چیزوں کو قبول کیا ہے تو پھر وہ چند چیزیں کتنی ہی فضیلت کیوں نہ

رکھتی ہوں' اس کے لیے موجب نجات نہ ہو گی۔ اس لیے کہ وہ عبادات مکمل اسلام (اطاعت) کی روح سے خالی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں' پورے دین کو قبول کرنے' اسے واجب الاطاعت سمجھنے اور اس کو اپنانے کا عہد کرنے کے بعد ہی' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ معتبر ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (مولانا عبدالمالک)۔

زکوٰۃ سے آئی کیمپ کا انعقاد

س : لوگ اپنے صدقات و زکوٰۃ رفاہی کاموں مثلاً ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج معالجہ یا آئی کیمپوں میں آنکھوں کے مریضوں کے آپریشن وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔ بعض ہسپتالوں کی انتظامیہ یہ احتیاط کرتی ہے کہ مریضوں کو بتا دیتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے' اگر آپ حق دار ہیں تو فائدہ اٹھائیں' ورنہ نہیں۔ کیا یہ طریقہ درست ہے؟ بعض ہسپتالوں یا آئی کیمپوں کے ذمہ داران یہ احتیاط نہیں کرتے اور غیر مستحق مریض بھی اس رقم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا اس طرح فائدہ اٹھانا جائز ہے؟

آنکھوں کے آپریشن کیمپ خاص آئی سیزن میں لگتے ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں میں بھی مریض اسی سیزن میں زیادہ آتے ہیں لیکن بعض ہسپتالوں کے ڈاکٹر فری آئی کیمپوں میں ڈیوٹی لگوا لیتے ہیں' یا لگا دی جاتی ہے۔ اس طرح ان ہسپتالوں کے مریض متاثر ہوتے ہیں جن کی خدمت کے عوض وہ تنخواہ لیتے ہیں۔ کیا اس طرح ڈیوٹی جائز ہے؟

بعض لوگ اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کی رقم یا ناجائز کمائی مریضوں کے علاج یا آئی کیمپوں وغیرہ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ کیا ناجائز کمائی کے ان کاموں میں خرچ کرنے پر ان بزرگوں کو ثواب ملے گا؟ ان خرچ کرنے والوں کو بھی ثواب ملے گا؟

ج : زکوٰۃ کا مصرف صرف فقرا ہیں۔ ہسپتالوں کی انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ کا کھاتہ الگ رکھیں اور زکوٰۃ کی رقوم سے صرف فقرا اور مساکین کا جو مستحق زکوٰۃ ہوں' علاج کریں۔ انھیں چاہیے کہ اس کے لیے مستحقین سے درخواستیں لیں۔ مستحقین معلوم کرنے کے لیے تحقیق کریں اور صرف ان لوگوں کا علاج زکوٰۃ سے کریں جو تحقیق کے نتیجے میں مستحق ثابت ہوں۔ محض اتنی بات کافی نہیں ہے کہ مریضوں کو بتلا دیا جائے کہ جس رقم سے علاج کیا جا رہا ہے یہ زکوٰۃ کی ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کو بلاتحقیق صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ انتظامیہ ایسا کرے گی تو عنداللہ و عندالناس جواب دہ ہو گی۔ مریض' انتظامیہ' ڈاکٹر ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں جائز و ناجائز' مستحق و غیر مستحق کا خیال رکھنا چاہیے لیکن اصل ذمہ داری انتظامیہ کی ہے۔

آئی کیمپ میں جو ڈاکٹر اپنی ڈیوٹی لگواتے ہیں' اگر ہسپتال کی انتظامیہ ان کی ڈیوٹی لگاتی ہے اور انھیں اجازت دیتی ہے تو مریضوں کا متبادل انتظام کرنا' ہسپتال انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔ ڈاکٹر ہسپتال سے جو تنخواہ لیتے ہیں وہ ان کے لیے جائز ہے' جب کہ وہ ہسپتال انتظامیہ کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے ہوں اور ان کی اجازت سے "آئی کیمپ" وغیرہ مہمات میں شرکت کرتے ہوں۔

زکوٰۃ و صدقات کی رقم کو ان کے مصارف میں صرف کرنا موجب ثواب ہے۔ جو شخص اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے رقم لگاتا ہے اسے اپنے پاس سے زکوٰۃ کے علاوہ جائز مال' صرف کرنا چاہیے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی تو فرض ہے اسے تو بہرحال صرف کرنا ہے' اس کا ایصال ثواب سے تعلق نہیں ہے۔

ناجائز مال صدقہ کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ اپنے استعمال میں لانے کی بجائے' مستحق فقرا اور مساکین کی حاجات میں صرف کرنے کے نتیجے میں آدمی گناہ سے بچ جائے گا' صدقے کا ثواب نہیں ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔

ختم قرآن پر معاوضہ

س : جب حفاظ کرام صلوٰۃ التراویح میں ختم قرآن کراتے ہیں تو بعض مساجد میں اس موقع پر حافظ صاحب کو تحفے میں کپڑوں کا جوڑا یا مٹھائی وغیرہ دی جاتی ہے۔ ختم قرآن کے موقع پر تقریب منعقد کر کے عام لوگوں میں مٹھائی بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص طور پر حافظ صاحب کے لیے چندہ بھی جمع کیا جاتا ہے۔

فضائل اعمال میں باب "فضائل قرآن" میں ایک روایت پڑھی کہ جس میں حضرت ابی بن کعبؓ نے کسی کو قرآن کی کوئی آیت سکھائی تو اس نے تحفے میں ان کو تیر کمان دی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوئے تو حضورؐ کے استفسار پر ابی نے کہا: یہ تیر کمان مجھے فلاں نے قرآن کی آیت سکھانے کے نتیجے میں تحفتاً دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تحفہ نہیں' بلکہ تم نے جہنم کے تیروں میں سے ایک تیر لیا ہے۔ اس کی روشنی میں' حفاظ کا تحائف لینا کیسا ہے؟

ج : ختم قرآن کے موقع پر حافظ قرآن کو تحفہ پیش کرنا جائز ہے۔ آپ نے جو حدیث لکھی ہے اس کا تعلق مطلقاً تحفے سے نہیں ہے' بلکہ ایسے شخص سے تحفہ قبول کرنا ہے جو فقیر اور مسکین ہو اور خود اس بات کا مستحق ہو کہ اس کی اعانت کی جائے' خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس تحفے میں اجرت کا احتمال ہو۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں تو ایک آدمی کو تعلیم دینے کا ذکر ہے اور حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت میں اصحاب صفہ کے چند لوگوں کو تعلیم دینے کا ذکر ہے۔ ابن ماجہ نے دونوں روایتیں

ذکر کی ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں اصل الفاظ یہ ہیں کہ انھوں نے خود اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے چند اصحاب صفہ کو قرآن پاک کی تعلیم دی تھی اور ان میں سے ایک آدمی نے ان کو ہدیے میں کمان دی تھی۔ یہ کمان بطور اجرت نہیں دی گئی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے ذہن میں اجرت کا خیال تک بھی نہیں تھا اور اسی لیے انھوں نے اس نیت سے کمان وصول کر لی تھی کہ یہ کوئی بڑا مال نہیں ہے اور نہ ہی اجرت میں لینے دینے کی چیز ہے، تاہم انھوں نے اسی خیال سے لے لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم معلوم کر لیں گے۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا نبی کریمؐ سے یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تحفہ تھا، اجرت نہ تھی۔ اس لیے کہ اجرت تو وہ ہوتی ہے جس میں کام بھی طے ہو اور اس کا عوض بھی طے ہو۔ بدایہ میں ہے: الاجارۃ عقد یرد علی المنافع بعوض ولا یصح حتٰی تکون المنافع معلومۃ والاجرۃ معلومۃ۔ "اجارۃ" ایک ایسا معاہدہ ہے جس کا تعلق منافع کے معاوضے سے ہے، یہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کام اور انتفاع کا تعین نہ ہو اور اس کی اجرت متعین نہ ہو (بدایۃ، کتاب الاجارۃ)۔

جب کمان اجرت کے طور پر نہیں دی گئی تو پھر دوسری صورت یہی ہے کہ وہ تحفہ ہے۔ تحفے کا لین دین قابل اعتراض نہیں ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے پیش نظر کہ یہ تحفہ اگرچہ احسان کے بدلے احسان کے طور پر دیا گیا ہے لیکن اسے اصحاب صفہ جیسے مخلصین سے، جنھوں نے اپنے آپ کو فی سبیل اللہ تحصیل علم اور جہاد کے لیے وقف کیا ہوا ہے، لیا جائے تو دینی تعلیم پر معاوضہ لینے کی بنیاد نہ بن جائے، فرمایا کہ اگر تم پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق گردن میں ڈالو تو پھر اسے قبول کر لو۔ حدیث کا اصل تعلق قرآن پاک کی تعلیم پر تحفہ لینے سے ہے۔ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانا تعلیم نہیں ہے، اس لیے تراویح کے موقع پر جو تحفہ دیا گیا ہے، اس سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

جہاں تک تعلیم القرآن پر اجرت کا تعلق ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا حکم مختلف ہے:

۱۔ تعلیم القرآن یا دینی تعلیم یا دینی کاموں پر بیت المال سے تنخواہ لینا، یہ جائز ہے۔ خلفاے راشدین کے دور اور خیر القرون میں بیت المال سے دینی خدمات پر معاوضہ دیا جاتا تھا۔ خود خلفاے راشدین نے خلافت کی خدمات سرانجام دینے کے عوض بیت المال سے بقدر ضرورت، بقدر گزارہ معاوضہ لیا ہے۔

۲۔ خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد مسلمانوں کے پرائیویٹ اداروں اور تنظیموں نے ریاستی بیت المال کی جگہ دینی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے بیت المال قائم کر لیے، اور عرصۂ دراز سے دنیا بھر میں تعلیم و تربیت، دعوت و تبلیغ اور اقامت دین کا کام دینی مدارس کی انجمنوں، مساجد کی کمیٹیوں اور

اسلامی تنظیموں کے ذریعے سرانجام دیا جا رہا ہے۔ یہ بھی بالکل جائز ہے اس لیے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال اور پرائیویٹ انجمنیں تنخواہیں دے کر وہی فرض ادا کر رہی ہیں جو اُن پر عائد ہے۔

۳۔ تعلیم حاصل کرنے والوں سے معاوضے لے کر انھیں تعلیم دینا، صورت اختلافی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کہ یہ فرض کفایہ ہے، فرض عین نہیں ہے۔ ایک آدمی پر یہ بات تو فرض ہے کہ وہ تعلیم دے لیکن وہ مخصوص افراد اور مخصوص ادارے میں کام کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اس لیے وہ مخصوص ادارے اور مسجد میں کام کرنے پر اجرت لے سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دینی تعلیم، اذان اور امامت پر اجرت جائز نہیں لیکن متاخرین نے زمانے کے حالات بدلنے اور بیت المال کی طرف سے اس کا اہتمام نہ ہونے پر اس صورت کو بھی جائز قرار دے دیا۔ یہ اس سبب سے بھی کیا گیا کہ دینی تعلیم اور خدمات کا نظام ایسی صورت میں بند ہو جائے گا جب کارکنوں کے لیے یہ روزگار کا ذریعہ نہ ہو۔ اس لیے کہ عملاً ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگ اپنا ذریعہ معاش کسی اور چیز کو بنائیں اور تعلیم اور دینی خدمات رضاکارانہ طور پر سرانجام دیں (ہدایہ، کتاب الاجارۃ، ص ۳۰۳، عون المعبود، کتاب الاجارۃ، باب کسب المعلم، ص ۷۶، سنن ابن ماجہ، باب الاجر علیٰ تعلّم القرآن، ص ۱۵۶) (ع - م)۔

قرض کی ادائیگی موجودہ یا پرانی قیمت پر

س : میرے والد مرحوم نے سعودی عرب میں بعض احباب سے سعودی ریال قرض لیے۔ پھر پاکستان واپس آگئے۔ چونکہ سعودی عرب جا کے کما کر یہ قرض ادا کرنا ممکن نہ تھا، لہٰذا والد صاحب نے اپنے تئیں یہ رقم پاکستانی روپوں میں ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت ریال کی قیمت ۷ روپے تھی، اب ۱۴ روپے فی ریال ہے۔ کیا والد صاحب کی وفات کے بعد اب ہم ریال کی پرانی قیمت کے مطابق قرض ادا کریں؟ یا ریال کی موجودہ قیمت کے مطابق پاکستانی روپوں میں قرض ادا کیا جائے گا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

ج : یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ والد صاحب کے ذمہ عائد قرضوں کو اتارنے کی فکر میں ہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہوا ہے کہ حق داروں کے حقوق دنیا میں ادا نہ کیے گئے تو وہ انھیں آخرت میں دلوا کر چھوڑے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے دفاتر میں تین طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک، وہ جن کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا، وہ شرک اور کفر ہیں۔ دوسرے، وہ جن کو دلائے بغیر نہیں چھوڑے گا، وہ حقوق العباد ہیں۔ تیسرے، وہ ہیں جو اللہ کی مرضی پر ہیں چاہے گا، تو بخش دے گا، چاہے گا تو سزا دے گا، یہ حقوق اللہ ہیں (جیسے نماز، روزہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کسی کا جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ پوچھتے تھے کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں۔ اگر جواب ملتا کہ قرض ہے' تو آپ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے تم اس کا جنازہ پڑھو لو۔ اگر کوئی شخص اس کا قرض اپنے ذمہ لے لیتا' تو پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت المال میں سے اس طرح کے قرضوں کی ادائیگی کی گنجائش نہیں تھی' لیکن جب بیت المال مضبوط ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے قرضوں کو بیت المال سے ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ترکَ مالاً فلورثتہ ومن ترکَ دیناً فعلیّ' جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کو ملے گا اور جس نے قرض چھوڑا تو وہ میرے ذمہ ہے۔ جو لوگ اس حال میں فوت ہو جائیں کہ ان کا ترکہ ان کے قرضے کی ادائیگی کے لیے کافی نہ ہو تو اسلامی حکومت بیت المال سے ان قرضوں کو ادا کرے گی۔ جس طرح جملہ حاجت مند' فقرا' مساکین' یتامیٰ اور بے اولادوں کی کفالت بھی ایسی صورت میں حکومت کے ذمے ہے' جب کہ ان کے سرپرست یا قرابت دار ان کی کفالت نہ کر سکتے ہوں۔

الحمدللہ آپ اس قابل ہیں کہ اپنے والد صاحب کا قرض ادا کر سکتے ہیں اور اپنے والد کے قرضوں کو اتارنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرض میں' قرض کی مثل چیز واپس کی جاتی ہے۔ واپسی کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ کیا چیز قرض میں تھی۔ جو چیز بطور قرض لی ہو' واپسی کے وقت اس کی مثل واپس کرنا پڑتی ہے۔ آپ کے والد صاحب نے ریال لیے تھے لہٰذا جس وقت آپ رقم واپس کریں تو ریال واپس کریں' یا ریالوں کی پاکستانی سکہ میں اتنی مقدار واپس کریں جتنی مقدار قرض میں لیے گئے ریالوں کی اب بنتی ہے۔ مذکورہ طریقے کے مطابق پاکستانی سکہ میں واپسی قرض خواہوں یا ان کے ورثا کی رضامندی کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ پاکستانی سکہ کے بجائے ریال طلب کریں تو انھیں ریال ہی واپس کرنے ہوں گے۔ اگر ریال نہ مل سکتے ہوں تو پھر اتنے ریالوں کی مالیت کے پاکستانی روپے لینے کے حق دار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔

عہد حاضر میں جہاد کی نوعیت

س : موجودہ دور میں کفر کے ساتھ جنگ یعنی جہاد بالسیف کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ ہر مسلمان پر فرض ہے؟ کیا جہاد اور قتال میں فرق ہے؟ کیا یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف غزوہ تبوک کے موقع پر ہر فرد کے لیے نکلنا لازمی قرار دیا تھا؟ کیا عام حالات میں قتال فرض کفایہ ہے؟ کیا مقبوضہ کشمیر کا جہاد "جہاد فی سبیل اللہ ہے یا جہاد حریت ہے؟

ج: جن مسلمان ممالک پر کفار نے قبضہ کیا ہوا ہے' ان کو آزاد کرانے کے لیے قتال کی ضرورت ہو' تو قتال فرض ہو گا۔ فقہا نے لکھا ہے جو علاقہ ایک مرتبہ دارالاسلام بن چکا ہو' اگر کفار اس پر قبضہ کر لیں تو پھر اس کی آزادی کے لیے جتنی طاقت کی ضرورت ہو' اتنی فراہم کرنا فرض ہو گا۔ اگر مقامی لوگوں کی طاقت ناکافی ہو تو ساتھ والوں پر فرض ہو گا کہ وہ اپنی طاقت اس میں شامل کریں۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے ساتھ والوں کے لیے طاقت فراہم کرنا ضروری ہو گا۔ علی ہذاالقیاس' اگر دنیا بھر کے مسلمانوں کی طاقت کی ضرورت ہو تو سب پر فرض ہو گا کہ وہ اس جہاد میں اپنی طاقت کو شامل کریں۔ افرادی' مالی' زبانی' غرضیکہ جس قسم کی اعانت کی ضرورت ہو' اس کا فراہم کرنا فرض ہو گا۔

کشمیر' فلسطین' چیچنیا اور اس طرح کے مسلمان ممالک کی آزادی کے لیے جن پر کفار نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے' مذکورہ بالا اصول کے مطابق جہاد کرنا فرض ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہے کہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتوں اور عوام پر فرض ہے کہ اس جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے جو کچھ کرسکتے ہیں' کریں۔ اس جدوجہد کی حمایت' ان ممالک پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں سے تجارتی اور سفارتی تعلقات منقطع کرنا' مجاہدین کی مالی مدد کرنا' یہ صورتیں تو ایسی ہیں جن پر سب عمل کرسکتے ہیں۔ البتہ افرادی قوت' جو عملاً جہاد بالسیف کرے' اس کی ان ممالک کو ضرورت نہیں ہے۔ ان کی اپنی افرادی قوت اس کے لیے کافی ہے' اس لیے جسمانی طور پر اس جہاد میں شریک ہونا فرض عین نہیں ہے۔ لیکن جتنے افراد کی ان ممالک کو ضرورت ہو' اس قدر افراد ان کو فراہم کرنا ضروری ہو گا۔ پس جسمانی طور پر شریک ہونا فرض کفایہ ہے۔ جس طرح غزوہ تبوک میں تمام مسلمانوں کی شرکت کا حکم تھا اس طرح آج سب کو نکل کھڑا ہونے کا حکم نہیں ہے' نہ ہی اس پر عمل ممکن ہے۔ اس کی بجائے آج حکم یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو تنہا اور بے یارومددگار نہ چھوڑا جائے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہیں کرتا' اسے تنہا اور بے یارومددگار نہیں چھوڑتا۔ جہاد باطل کو گرانے اور باطل کو مٹانے کے لیے تلوار اور اسلحے کے استعمال کا نام ہے۔ کشمیر اور چیچنیا کا جہاد' جہاد حریت بھی ہے اور قتال فی سبیل اللہ بھی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان ان جہادوں کی حمایت کر کے اس جہاد میں شریک ہیں' لیکن قتال میں شریک نہیں ہیں۔ قتال میں صرف وہ لوگ شریک ہیں جو محاذ پر پہنچ جائیں واللہ اعلم بالصواب! (ع - م)۔